مکالمہ بین المذاہب۔اصول وآداب

حافظ محمود اختر☆

مکالمہ بین المذاہب ایک قدیم موضوع ہے۔مختلف ادوار میں اس موضوع نے مختلف انداز اختیار کیے لیکن آج کے دور میں اسے جس قدر شہرت ملی ہے اور جس اہتمام کے ساتھ اس سلسلے میں کام ہو رہا ہے شاید اس سے قبل اس قدر منظم انداز سے بین الاقوامی سطح پر کام نہ ہوا ہو۔مشرق ومغرب میں لاتعداد تنظیمیں اس سلسلے میں سرگرمِ عمل ہیں اور مسلمانوں میں بھی خاصی سرگرمی دیکھی جا رہی ہے۔رسائل و جرائد کے علاوہ مستقل کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔بے شک اسلام ایک امن پسند اور وسیع القلبی کا درس دینے والا دین ہے۔وہ دوسروں کے ساتھ امن وامان کے ساتھ رہنے کا داعی ہے۔لیکن قرآن مجید اس سلسلے میں بڑا حساس ہے کہ دیگر مذاہب سے پرامن فضاء قائم کرنے کی خاطر اسلام، مسلمانوں اور ملتِ اسلامیہ کے وقار اور عظمت پر آنچ نہ آنے پائے۔دوسروں سے رواداری اور وسعت قلب کا رویہ اختیار کیا جائے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان ایسا طرزِ عمل اختیار کرلیں جو اسلام یا مسلمانوں کی بے توقیری کا باعث بن جائے۔

اسلام کی عظمت اور وقار کو ملحوظ رکھنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے اور اگر مسلمان اسلام کی معذرت خواہانہ تعبیر کر کے اس کی عظمت و وقار کو گرانے کا سبب بنیں گے تو مسلمان ایک ایسے جرم کے مرتکب ہوں گے جس پر وہ بڑی سخت دنیوی واخروی سزا کے حق دار ٹھہریں گے۔یہ بڑی عام فہم سی بات ہے کہ کوئی شخص اگر کسی سے مراسم اور دوستی بڑھانا چاہتا ہے تو اسے اپنی عزتِ نفس، خودداری اور غیرت کی حفاظت کرتے ہوئے دوستی کرنا ہوگی۔یہ حماقت و نادانی ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی عزت خاک میں ملوا کر ان سے اچھے تعلقات قائم کرے۔یا کوئی شخص کسی کے ساتھ مشترکہ کاروبار کرنا چاہتا ہے تو وہ نادانی سے اپنا کاروبار تباہ کر دے، اور اپنے کاروبار کو نقصان پہنچا کر دوسروں سے معاشی تعلقات قائم کرے۔یا کوئی قبیلہ دوسرے قبائل سے پرامن بقائے باہمی کی فضاء پیدا کرنا چاہتا ہے تو اپنے قبیلہ کی عزت کو گرا کر دوسروں سے تعلقات استوار کرنا عقل مندی نہیں۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسروں سے تعلقات اسی صورت میں مضبوط ہو سکتے ہیں اور دوسرے آپ کی عزت واحترام کو اسی وقت ملحوظ رکھیں گے جب آپ خود مضبوط اور طاقتور ہوں۔کمزوروں اور خود اپنی عزت کو گرانے والوں کے ساتھ کوئی بھی برابری کی سطح پر دوستی نہیں کیا کرتا۔عزت اسی کی ہوتی ہے جو اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے۔ انسانی غیرت اور حمیت کا بھی اصول یہی ہے کہ جسے اپنی عزت کروانی نہیں آتی دوسرے خواہ مخواہ اس کی عزت نہیں کیا کرتے۔گویا مکالمہ بین المذاہب ضرور کیا جائے لیکن دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنے دین کی دُور از کار تاویلات نہ کی جائیں۔

☆ ڈین، کلیہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

یہ بات مشاہدے میں آ رہی ہے کہ دوسرے مذاہب والوں سے دوستی پیدا کرنے کیلئے اسلام اور دیگر مذاہب کے ایسے مشترکہ پہلو اور مشترکہ اقدار کھینچ تان کر تلاش کیے جا رہے ہیں جو بالکل خود ساختہ ہیں۔ ان تاویلات کے پس منظر میں دوسروں سے مرعوبیت کی بُو واضح طور پر محسوس ہو رہی ہے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں بڑا حساس ہے کہ مکالمہ بین المذاہب کے عمل میں اللہ کے دین کی عظمت پر آنچ نہ آنے پائے۔ اسلام کی عزت و وقار کو قائم رکھنا مسلمانوں کی بنیادی ذمہ داری ہے ان کیلئے یہ قطعاً روا نہیں کہ اپنی زندگی کو آسان اور محفوظ بنانے کیلئے اپنی عزتِ نفس کو ملحوظ رکھے بغیر ان لوگوں سے دوستی کرنے لگ جائیں جن کے بارے میں قرآن نے واضح طور پر کہا ہوا ہے کہ وہ تمھارے دوست نہیں ہو سکتے۔

مکالمہ بین المذاہب کے عمل میں ہمیں جن بنیادی باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی حکمتِ عملی تیار کرنا ہوگی ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ مکالمہ کا بنیادی محرک کیا ہے؟ کیا اس کی تحریک کا Initiative مغرب کی طرف سے ہے یا مسلمانوں کی طرف سے؟ حالات و شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ مکالمہ بین المذاہب کے عنوان سے ہونے والی سرگرمیوں کا محرک اہلِ مغرب ہیں مسلمان تو دعوتِ دین میں سرگرم عمل ہیں۔ وہ ہر ایک کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے ہیں کیوں کہ یہ ان کا دینی فریضہ ہے جو کسی وقتی سیاسی ضرورت کے تحت ہی ادا نہیں کیا جاتا بلکہ یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.(۱)

''تم میں سے ایک جماعت موجود رہنی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے، جو نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ اسی جماعت کے لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

مکالمہ بین المذاہب کے عمل میں مسلمانوں کو یہ بات بھی ہر لحہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اس وقت مسلمانوں کو اپنے دین کے حوالے سے متضاد قسم کی صورت حال کا سامنا ہے۔ ایک طرف وہ مسلح جارحیت کا شکار ہیں۔ دوسری طرف اہلِ مغرب ان کے ساتھ سازگاری، دوستی اور مشترکہ اقدار کی بنیاد پر مل کر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس بات کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ تمام مذاہب مل کر چلیں۔ اہل مغرب کے اس رویّے کا ایک نفسیاتی تجزیہ یہ بھی ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ مغرب مسلمانوں کے بارے میں ایک خوف میں مبتلا ہیں۔ اسلام کو وہ اپنا سب سے بڑا مدّ مقابل اور چیلنج سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں مسلمان کسی بھی وقت ان کی سلامتی و بقاء کیلئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مذاکرات اور مکالمات کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ان کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے فکری اور ذہنی رجحانات کا رخ اس طریقے سے متعین کیا جائے کہ وہ مغرب کیلئے کبھی

بھی خطرہ نہ بن سکیں۔

مکالمہ بین المذاہب کے عمل کے دوران مسلمانوں کو اس قدر سادگی اور بھولے پن کا بھی مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس بات کو ہی بھول جائیں کہ مغرب ہمیں ایک طرف جنگی اعتبار سے جارحیت کا شکار کرکے ہمیں مفلوج کررہا ہے۔ اور جہاد کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے جہادی روح کو دبانے کی مسلح کوششیں جاری ہیں۔ ذرائع ابلاغ، بے شمار کتب، پروپیگنڈہ وانٹرنیٹ کے ذریعے جہاد کو دہشت گردی قرار دے کر اسلام اور جہاد کو بدنام کرنے کی کوششیں بھی جاری ہیں، دوسری طرف عالم اسلام کے معاشی وسائل پر بھی سیاسی اور عسکری ہتھکنڈوں کو استعمال کرکے قبضہ جمایا جارہا ہے۔ مسلمان ملکوں کے اندرونی استحکام کا بھی خاتمہ کردیا ہے۔ مسلمان ملکوں پر فکری وتہذیبی یلغار بھی ہورہی ہے، اس سب کے ساتھ ساتھ وہ ہم سے مکالمہ بین المذاہب بھی کررہا ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر اس مکالمہ کا مطلب اور مقصد کیا ہوسکتا ہے؟

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو فکری طور پر کمزور کرنے کے لیے اسلام پر اعتراضات کر کے بظاہر ایسی فضاء پیدا کی جاچکی ہے کہ مسلمان ممالک کے عوام کی ایک اچھی خاصی تعداد ان اعتراضات سے متاثر دکھائی دے رہی ہے اور اسلام کے بارے میں ان کا نقطہ نگاہ خاصا معذرت خواہانہ ہوچکا ہے۔ ان کے ذہنوں پر مغرب کے اعتراضات نے گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ تمام مذاہب کو پُر امن طور پر رہنا چاہیے اور ایسے رجحانات کی بین الاقوامی سطح پر حوصلہ افزائی کی جارہی ہے کہ جہاد کو چھوڑ کر امن کی راہ اختیار کی جائے۔ اسی مقصد کیلئے وہ مسلمانوں سے مذاکرات اور مکالمات کے خواہش مند ہیں۔ وہ ایک ایسا اسلام چاہتے ہیں جس میں کوئی انقلابی روح موجود نہ ہو، وہ اسلام کی ایسی تعبیر چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں اسلام ان کے مذہب جیسا بن جائے۔ وہ تہذیب اسلامی کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور مغربی ذرائع ابلاغ ہمہ وقت اس تہذیب کی بنیاد کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں۔

مکالمہ بین المذاہب کے دو عناصر ہیں ایک طرف مسلمان ہیں اور دوسری جانب غیر مسلم۔ ظاہر ہے کہ مذہب کی بنیاد پر ہونے والے مذاکرات میں مسلمانوں کے مقاصد اور ہیں اور غیر مسلم کچھ اور امیدوں سے مذاکرات کریں گے۔ مسلمانوں کا مقصد تو غیر مسلموں تک دین کا پیغام پہنچانا ہے اور غیر مسلموں کے مدِ نظر ان کے اپنے مقاصد ہیں۔ دوسرے مذاہب کے ساتھ رویے کے حوالے سے تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ پُر امن طور پر ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے، دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ مداخلت نہ کی جائے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے دائرے میں اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہو۔

۲۔ مسلمان ہر وقت دوسروں کے ساتھ کشمکش میں مبتلا اور برسرِ پیکار اور جنگ میں مصروف رہیں تاکہ دوسروں

کوزیر کیا جاسکے۔

۳۔ دوسروں سے دب کر خوف اور مرعوبیت کے ماحول میں زندگی گزاریں۔

اسلام تیسرے طرزِ عمل کے خلاف ہے کیونکہ یہ اسلامی غیرت وحمیت کے منافی ہے۔ جہاں تک دوسرے طرزِ عمل کی بات ہے اسلام صرف اس کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے جو اس پر تلوار اٹھائے اور جو اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کے درپے ہو۔ اسلام درحقیقت پہلے طرزِ عمل کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے یہی اس کا طرز زندگی ہے۔ دوسرے نمبر کو وہ محض ضرورت کے طور پر اختیار کرتا ہے۔ اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو تمھارے وجود کو مٹانے پر تلا ہوا اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر تو کھڑا نہیں ہوا جاسکتا۔اسلام میں ایک طرف دینی رواداری ہے،اس کی تعلیمات اور اس کے پیغام میں اس قدر وسعت ، گہرائی اور اس بات کی صلاحیت ہے کہ دوسروں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔انہیں اسلام اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے، وہ کفروشرک سے مکمل طور پر نفرت کرتا اور اس کی ممانعت کرتا ہے۔اوردوسری طرف وہ لوگوں کو اپنی طرف بلاتا بھی ہے۔کفروالوں سے یک گونہ تعلق رکھنے کو بھی روا رکھتا ہے۔شرعی حدود کے اندر غیر مسلموں سے تعامل وتعلق کی مختلف شکلیں قرآن نے بیان بھی کی ہیں۔اس وقت اہل کفر سے تعلق کے بارے میں کچھ ابہام پیدا ہوگیا ہے،اور معاملہ خلط ملط کردیا گیا ہے؛اس لیے اس خلط مبحث کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں تمام شرعی نصوص کو سامنے رکھنے کے بعد مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کا جو صحیح خاکہ بنتا ہے وہ حسب ذیل ہے:

۱۔موالات یعنی قلبی مودت اور ایمانی اخوت ونصرت کا تعلق :یہ صرف ایمان والوں کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم کی آیت :يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ .(۲)

”اے ایمان والو !یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔اور جو شخص تم میں سے انکو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اسی طرح آیت کریمہ :يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ .(۳)

”مومنو! (اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے (مکے سے) نکلے ہو تو) میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ“ ان آیات میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔دوسرا درجہ مدارات کا ہے۔غیر مسلموں کے ساتھ مدارات کا تعلق تین درجہ سے رکھا جاسکتا ہے۔

(الف)ان کے شراور ضرر سے بچنے کے لیے جس کی طرف اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے: إلّاأن تتّقُوا مِنهُم تُقاةً.(۴)

(ب)ان کے اسلام قبول کرنے کی امید پر یعنی اگر وہ اپنی قوم کا سربراہ ہو اور مسلمانوں کے پاس مہمان کی حیثیت سے آیا ہو۔تو ان تمام صورتوں میں غیر مسلوں کے ساتھ مدارات یا اکرام کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔البتہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لیے مدارات جائز نہیں ہے،جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول :اَیَبتَغُونَ عِندَھُمُ العِزَّۃَ .(۵) کیا یہ لوگ ان کافروں کے پاس عزت کے خواہاں ہیں؟

(ج) تیسرا درجہ مواسات یا ہمدردی اور بہی خواہی کا ہے۔یہ حربی یا برسرپیکار کافروں کے ساتھ جائز نہیں،لیکن اہل ذمہ اور ان کافروں کے ساتھ ہمدردی وغمخواری اور مواسات جائز ہے جو مسلمانوں کے درپئے آزار نہ ہوں۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:لَا یَنھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِینَ لَم یُقَاتِلُوکُم فِی الدِّینِ وَلَم یُخرِجُوکُم مِّن دِیَارِکُم اَن تَبَرُّوھُم وَتُقسِطُوٓا اِلَیھِم .(۶)''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔''

کافروں سے مدد لینے کا مسئلہ بھی علی الاطلاق حرام وناجائز نہیں ہے۔حنین کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے صفوان ابن امیہ سے مدد لی جبکہ وہ مشرک تھے۔بنی قینقاع کے یہویوں سے مدد لی اور مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی رکھا۔بنی خزاعہ کے ایک شخص کو قریش کے خلاف جاسوسی کے لیے متعین کیا۔سفر ہجرت کے دران عبداللہ بن اریقط سے مدد لی،پھر مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا جس میں بقائے باہمی کے اصول طے کیے۔حلف الفضول کی تعریف کی اور اس طرح کے کسی معاہدہ میں دوبارہ شرکت کے عزم کا اظہار فرمایا،طائف سے لوٹتے ہوئے جبیر بن مطعم کی پناہ اور جوار کو اختیار فرمایا۔اس سے ضرورت کے موقع پر کافروں کے ساتھ معاہدے کرنے اور پارلیمانی کونسلوں میں کفار کی نمائندگی کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔(۷)

دراصل شرعی اعتبار سے مکالمہ کی تین صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ مکالمۂ دعوت الی الاسلام

۲۔ مکالمۂ تعاملِ باہمی

۳۔ مکالمۂ وحدتِ ادیان

پہلی قسم تو مسلمانوں کا فریضہ ہے۔دوسری قسم دنیا میں بقائے باہمی کی ضرورت ہے اور اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔تیسری قسم جائز نہیں۔

مکالمہ کے جائز اہداف مندرجہ ہیں:

ا۔اسلام کی حقانیت کے دلائل پیش کرنا

۲۔باطل کی نشاندہی کرنا

۳۔شبہات کا جواب دینا

۴۔مسلمانوں کی تثبیتِ قلب

۵۔شرعی مصلحتوں کو پورا کرنا

مکالمہ اگر مندرجہ ذیل اہداف کے پیش نظر ہوگا تو ناجائز ہوگا:

ا۔کفار سے دوستی

۲۔ادیان کا تقارب

۳۔مشترکہ ادیان کا ہدف۔(۸)

کفار سے تعلقات کے حوالے سے قرآن مجید مسلمانوں کو کچھ بنیادی حقائق اور راہنما اصول ذہن نشین کرواتا ہے کہ ان حقائق کو کبھی ذہن سے نہ نکالیں۔اگر ان بنیادی باتوں کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو وہ کفار سے مار کھا جائیں گے۔ سورۃ الممتحنۃ کی پہلی آیت میں فرمایا: "یَاَ یُّھاالّذین اٰمنوا لاتتّخذوا عَدُوّی وعَدُوّکُم أولیآءَ تُلقُونَ إلَیہِم بِالمَوَدَّۃِ وَ قَد کَفَرُوا بِمَا جَآءَکُم مِّن الحَقِ . (۹)

"اے ایمان والو میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو ان کی طرف دوستی کے پیغام بھیجتے ہو جبکہ وہ اس دینِ حق کا انکار کرتے ہیں جو تمھارے پاس آچکا ہے"۔قرآن مجید مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ وہ تمھارے دین کے منکر ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ تم اس کے باوجود ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ اگر تم نے ان کے بارے میں کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جس سے اسلام کی عظمت پر حرف آتا ہو تو تمھاری کسی بھی خفیہ یا اعلانیہ حرکت یا تمھارے ایسے افعال، کسی طرزِ عمل یا تمھارے دلوں میں چھپی ہوئی کسی خواہش سے اللہ مکمل باخبر ہے۔ تمھاری کوئی سوچ، ارادہ یا عمل چھپا ہوا نہیں رہے گا اگر کسی نے اس طرح کی حرکت کی تو ایسا شخص راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔

یہ بات ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ مسلمان جب اپنی دینی عزت اور غیرت کی پرواہ کئے بغیر بھاگ بھاگ کر (جیسا کہ اس وقت دکھائی دے رہا ہے) دوسروں سے پیار کی فضاء پیدا کرنے کیلئے ہاتھ آگے بڑھانے کی

طرف مائل دکھائی دے رہے ہیں اور بعض دفعہ مکالمہ کے شوق میں کچھ لوگ یہاں تک آگے بڑھ رہے ہیں اور اس طرح کی باتیں علی الاعلان کہی جا رہی ہیں کہ آخر رسول اللہ ﷺ نے بھی تو صلح حدیبیہ میں معاہدے کی عبارت کے آغاز سے "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ دیا تھا۔ بعض مسلمانوں کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر مکالمہ کرنا ہے تو پھر عقائد کو الگ رکھ کر بات کرنا ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ عقائد ہی تو بنیاد ہیں، اگر عقائد کو الگ کر دیا تو پھر قادیانی اور کتنے دیگر کافر، یہودی، عیسائی اور مسلمان سبھی برابر ہو گئے۔ مسلمانوں میں اس طرح کے رجحان درحقیقت مستشرقین ہی کی طرف سے Float کیے گئے ہیں، تاکہ اسلامی تشخص کی کوئی امتیازی حیثیت باقی نہ رہے۔ جبکہ اسلامی تشخص پر استقامت ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اس طرح کا رویہ اس نفسیاتی حقیقت کا اظہار بھی ہوگا کہ وہ باطل کی ساتھ کشمکش سے تھک چکے ہیں اور وہ عافیت وسکون کی زندگی گزارنے کے خواہش مند ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان کسل مندی اور آرام طلبی کی طرف مائل ہو جائیں گے اس کسل مندی کا نتیجہ اور انجام قرآن نے یوں بیان کیا کہ وہ تم پر غلبہ پانے کی کوشش کریں گے۔ سورۃ الممتحنۃ کی آیت نمبر ۲ میں فرمایا: اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّیَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ۔ "اگر انہیں تمہارے اوپر دسترس حاصل ہو جائے تو وہ تمہاری اس کوتاہی سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے وہ فوراً دشمنی کا مظاہرہ کریں گے وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے برے ارادے سے دست درازی کریں گے اور وہ تمہاری اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہیں مجبور کریں گے کہ تم بھی ان کی طرح کافر بن جاؤ۔"

مکالمہ بین المذاہب کے دوران ہمیں اہل کتاب کے فکری پس منظر کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے: وَقَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَاکۡفُرُوۡۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ .(۱۰)

"اور اہل کتاب کی ایک اور جماعت نے کہا جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔"

نیز فرمایا: وَمِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیۡکَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِیۡنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیۡکَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَیۡهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ .(۱۱)

"بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر تو خزانے کا امین بنا دے تو بھی وہ واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر

پر ہی کھڑا رہے، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں (غیر یہودی) کے حق مار لینے کا کوئی گناہ نہیں یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں۔"

قرآن مجید کی آیات اور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو اگر ساتھ ساتھ رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں پر یہ بات واضح کرتا ہے کہ کفار اسلام کے بارے میں یک زبان ہیں، وہ ہمارے خیر خواہ نہیں ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی دین سے ہٹا کر اپنا ہمنوا بنالیں۔ لہذا انہیں کبھی بھی اپنا دوست نہ سمجھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰـةً.(۱۲) "ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی کسی حمایت میں نہیں سوائے اس کے کہ کفار کے شر سے بچنے کی تدبیر کے طور پر ان سے تعلقات رکھے جائیں۔"

نیز فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ.(۱۳) "ایمان والو تم ایمان والوں کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمھاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہیں کہ تم مصائب میں پڑے رہو۔ ان کی عداوت تو ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں تمھارے خلاف دشمنی چھپی ہوئی ہے۔ وہ اس ظاہر سے بہت زیادہ ہے۔"

سورۃ ھود کی آیت نمبر ۱۱۳ میں فرمایا: وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ. "تم ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمھیں بھی جہنم کی آگ کا سامنا کرنا پڑے گا اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ ہی تم مدد کئے جاؤ گے۔"

ایک اور جگہ فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ . (۱۴) "جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔"

قرآن مجید کچھ بنیادی حقائق اپنے ماننے والوں پر واضح کرتا ہے کہ وہ غیروں سے دین کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان حقائق کو اپنے ذہنوں میں رکھیں۔ مثلا: ان کا دین حقائق پر مبنی ہے، اس میں بتائی ہوئی صداقتیں اٹل ہیں اور مسلمان اپنے دین کے بارے میں کسی تردد اور تذبذب کا شکار نہ ہوں۔ کئی ایک مقامات پر واضح کیا گیا

ہے کہ مسلمانوں کو اپنے برحق ہونے میں کسی تردّد کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا: وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ،وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ. (۱۵)

''اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آپ کی طرف ایک کامل کتاب بھیج دی ہے اس کے مضامین واضح طور پر بیان کر دیے گئے ہیں جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو آپ اس سلسلے میں شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔آپ کے رب کی جانب سے سچائی اور عدل کی بات پوری ہو کر رہے گی۔(سچائی یہ ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ برحق ہے۔اس میں حق کے غالب آنے کی جو بشارتیں دی گئی ہیں وہ پوری ہو کر رہیں گی۔'')

یہی مضمون سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۷ میں بھی بیان ہوا ہے۔سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۱۶ میں واضح کیا گیا ہے کہ مخالفینِ حق ظن وگمان کی پیروی کرنے والے ہیں جبکہ تمھارے پاس حق ہے،فرمایا: اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ. "وہ ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔'' اور اس سے اگلی آیتِ مبارکہ میں مزید وضاحت فرمادی کہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔(مومنوں کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ) اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہی لوگ اصل رستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید اہلِ کتاب کے بارے میں واضح کرتا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ دینِ اسلام سچا دین ہے لیکن وہ جانتے ہوئے اس کی صداقت کا انکار کرتے ہیں۔سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۶ میں فرمایا گیا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. "جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ نبی کریمؐ کے سچا ہونے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان کا ایک گروہ البتہ حق کو چھپاتا ہے اور وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ حق کو چھپا رہے ہیں۔''

سورۃ آل عمران کی آیات ۷۰ اور ۷۱ میں فرمایا: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ،يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ .'' اے اہل کتاب تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ کیوں انکار حقیقت کرتے ہو؟......اور تم حق وباطل کو کیوں خلط ملط کرتے ہوئے حق بات کو کیوں چھپاتے ہو؟......''

مزید فرمایا: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. (۱۶) ''ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس

میں عیب ٹٹولتے ہو حالانکہ تمھارے پاس شواہد موجود ہیں کہ یہی سچائی کا راستہ ہے، اور جانتے بوجھتے اس میں سے عیب کیوں تلاش کرتے ہو۔''

دوسروں کے بارے میں تشدد کی ممانعت:

قرآن مجید مسلمانوں کو دین کے معاملے میں مکمل طور پر دینی غیرت وحمیت اور عزم واستقلال کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عزم واستقلال کا یہ معنٰی ہرگز نہیں ہے کہ وہ تشدد اور عدمِ رواداری کا راستہ اختیار کرلیں۔ قرآن کا اپنے ماننے والوں کو اس بات سے آگاہ کرنا کہ کفار تمھارے دشمن ہیں، کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ انہیں کفّار کے مقابلے میں تشدّد اور تصادم پر اکساتا ہے۔ اسلام نفرت، تعصب اور عداوت کو ہرگز فروغ نہیں دیتا۔ جب کسی کو یہ بتایا جائے کہ فلاں تمھارا دشمن ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ تم اسے ختم کر دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اس سے اور اس کی چالوں سے آگاہ رہو۔ جو اپنے دشمن سے آگاہ نہ ہو وہ اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ قرآن جب مسلمانوں سے کہتا ہے کہ کفّار تمھارے دشمن ہیں'' تو وہ اپنے ماننے والون کو دشمنی اور نفرت کی طرف نہیں ابھارتا بلکہ تاریخ اور موجودہ حالات میں مسلمانوں کے بارے میں اہل مغرب کا روّیہ قرآن کے اس بیان کی عملی دلیل اور ثبوت کے طور پر موجود ہے کہ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے واضح کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد مکہ میں کفار کا اسلام دشمن اور مسلم کش رویہ، سازشیں تشدّد اور مسلح تصادم، مدینہ میں پانچ برس تک مسلسل جنگوں میں مصروف رکھنا قرآن کے بیان کی عملی دلیل ہے۔ جن آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ فلاں لوگ تمھارے دشمن ہیں تو درحقیقت ان آیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ان کا نقطہ نگاہ تمھارے نقطہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے اور یہ فرق اس قدر بنیادی ہے کہ تمھارے اور ان کے نقطہ نگاہ اور مقاصد میں کبھی بھی اور کسی بھی طریقے سے مماثلت اور موافقت نہیں ہوسکتی۔ اگر تم نے اپنے اور ان کے درمیان فرق کو قائم نہ رکھا تو تمھارا اپنا تشخص ختم ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر خیر اور شر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو جو یہ احساس دلاتا ہے کہ کافر تمھارے دشمن ہیں تو اس بات میں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ کافر تمھارے خیر خواہ اور دوست نہیں۔ دوست اور دشمن میں فرق کرنا ایک فطری اور منطقی ضرورت ہے دوست اور دشمن میں فرق نہ کر سکنے والا فرد یا ملک دنیا میں پنپ نہیں سکتا۔ قرآن جب کہتا ہے کہ وہ تمھارے دشمن ہیں تو وہ اسی بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ جہاں تک پر امن انداز سے زندگی گزارنے کی بات ہے تو قرآن تو واضح طور پر اعلان کرتا ہے: وان جنحوا للسّلم فاجنح لھا وتوکّل علی اللّٰہ (۱۷)

''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی ایسا ہی رویہ اختیار کر سکتے ہیں (لیکن) بھروسہ اللہ پر ہی رکھیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ.(۱۸)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تو اہل کتاب سے محدود و مشروط تعلق رکھنے کی اجازت بھی دی ہے۔اور سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۵ میں اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنے اور ان کا کھانا کھانے کی بھی مشروط اجازت دی ہے تاریخ اسلام اور سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک محدود حد تک اہلِ کتاب سے مسلمانوں کا میل جول یا تعلق ہمیشہ رہا ہے۔اس کیلئے نبی کریم ﷺ کا میثاقِ مدینہ واضح ثبوت ہے آپؐ نے پرامن فضاء میں دوسرے مذاہب کے ساتھ مل جل کر رہنے کی بنیادیں خود رکھیں۔قرآن مسلمانوں کو جس بات سے باخبر کرتا ہے وہ یہ ہے وہ ہر قدم پر اگرچہ نفرت،سخت گیری اور مخاصمت کا انداز اختیار نہ کریں اور معروف ومناسب انداز اختیار کریں لیکن یہ بات بھی ذہن میں پختہ طور پر بٹھائے رکھیں کہ ان سے دوستی نہ کریں انہیں خیر خواہ سمجھیں نہ ان سے کوئی توقعات وابستہ کریں۔کسی مجبوری کی وجہ سے ان سے اگر نرم رویہ اختیار کرنا پڑے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ان کی طرف سے کسی بھی طرح کی نرمی کی توقع نہ کریں۔

سازگاری کی ممانعت:

مکالمہ بین المذاہب کے دوران مسلمانوں کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے،اس سلسلے میں حضورؐ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے عملی نمونے کے طور پر موجود ہے۔نبی کریم ﷺ کے عہد میں آپ کے پاس کفار کی طرف سے مختلف وفود آئے جن کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ کفار کے معبودوں کی مذمت چھوڑ دیں اس کے مقابلے میں وہ مسلمانوں کو تنگ کرنا چھوڑ دیں گے۔ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اسود بن مطلب،ولید بن مغیرہ،امیہ بن خلف اور عاص بن وائل طوافِ کعبہ کے دوران حضور ﷺ کے سامنے آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! آؤ جسے تم پوجتے ہو اسے ہم بھی پوجیں اور جسے ہم پوجتے ہیں تم بھی پوجو۔اس طرح ہم اور تم آپس میں برابر ہو جائیں گے تمھارا معبود ہمارے معبودوں سے بہتر ہے تو ہم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے اور اگر ہمارا معبود تمھارے معبود سے بہتر ہے تم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہو گے''۔اس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی اور اس میں یہ بات واضح طور پر بیان کر دی گئی اور حضورؐ نے دوٹوک انداز میں ان کے کان کھول دیے کہ تمھاری ایسی کوئی خواہش پوری کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔فرمایا:''اے کافرو!میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو،نہ میں آئندہ تمھارے

معبودوں کی عبادت کروں گا، ھمارے اور میرے طریقہ میں اشتراک واتحاد پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تمھارے لئے تمھاری راہ اور میرے لئے میری راہ۔'' اس طرح کفار کی خواہش کی بنیاد ہی ختم کر دی گئی۔ اس طرح کی بہت سی روایات موجود ہیں اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس طرح کی کوششیں بار بار کی گئیں۔(۱۹)

ابن جریر اور طبرانی نے بھی یہ روایت بیان کی ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ایک سال وہ آپؐ کے حقیقی معبود کی عبادت کرتے ہیں اور ایک سال آپؐ ان کے معبودوں کی پوجا کر لیں۔(۲۰) عَبدبن حُمَیدؒ کی ایک روایت اس طرح ہے کہ اگر آپ ہمارے معبودوں کو قبول کر لیں تو ہم بھی آپؐ کے خدا کی عبادت کریں گے۔(۲۱)

کتبِ سیرت میں متعدد روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کفار نے ابو طالب کے پاس بھی ایک سے زیادہ مرتبہ سفارت بھیجی۔ پہلے تو عام گفتگو کے انداز سے کہا کہ آپؐ ان کے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ ان میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل شریک تھے۔ انہوں نے ابو طالب سے کہا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو بُرا کہتا ہے۔ ہمیں احمق قرار دیتا ہے۔ اس لئے تم درمیان میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہوجائے''۔ اس پر ابوطالب نے حضورؐ سے کہا کہ اے بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ جو میں اٹھا نہ سکوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے جو جواب دیا وہ آپؐ کے عزم واستقلال کا شاہکار اور عصرِ حاضر میں مکالمہ بین المذاہب کے سلسلے میں اساس اور بنیاد ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ''خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر بھی رکھ دیں تب بھی میں اپنے مشن سے نہ رکوں گا جب تک کہ یہ دین غالب آجائے یا مجھے موت آجائے۔''(۲۲) آپؐ اس وقت اس قدر جذباتی ہوئے کہ آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ آپؐ کے اس استقلال کا ابوطالب پر بھی اثر ہوا اور کہا کہ بھتیجے۔ تیرے لئے میری حمایت آئندہ بھی جاری رہے گی۔(۲۳)

ایک موقع پر عُتبہ بن ربیعہ قریش کی جانب سے نمائندہ بن کر آیا اور آپؐ سے کہا کہ اے محمد ﷺ! تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے آپ کو مکہ کی سرداری، کسی اچھے گھرانے میں شادی اور دولت کی پیش کش کی اور اس کے عوض میں اپنے مشن کو ختم کرنے کو کہا۔ آپؐ نے سورۃ حمٓ السجدہ کی آیات نمبر ۶ تا ۹ تلاوت فرمائیں۔ عتبہ جب واپس گیا تو اس نے قریش سے کہا کہ محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائیں گے تو یہ تمھاری ہی عزت ہے ورنہ عرب انہیں خود ختم کر دیں گے۔(۲۴)

ایک اور واقعہ ابن جریر طبری میں ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے کہ ولید ابن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ آپؐ کے پاس آئے اور پیش کش کی کہ ہم آپ کو مکہ کے لوگوں کے آدھے مال دے دیں گے آپ اپنے دعوے چھوڑ دیں۔ منافقین اور یہود نے دھمکی دی کہ اگر آپ نے اپنے دعوے نہ چھوڑے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔(۲۵)

ایک اور واقعہ بھی منقول ہے کہ کفار نے پیش کش کی کہ آپ صرف اس قدر کہہ دیں کہ ہمارے معبود برے نہیں ہیں یہ بھی ہماری سفارش کریں گے اور نفع دے سکتے ہیں تو ہم آپ کو آپ کے رب پر چھوڑ دیں گے۔(۲۶)

کفار کے اس طرزِ عمل اور نبی کریم ﷺ کے ردّعمل کو آج بھی دہرایا جارہا ہے اور ہمارے لئے اس میں راہنمائی موجود ہے کہ ہم نے اپنے نصب العین اور بنیادی نقطے سے سرِ مُو انحراف نہیں کرنا۔کفّار مکہ کی یہ سودے بازیاں درحقیقت اسلام اور جاہلیت کے درمیان ایک راستہ نکالنے کی کوشش تھیں ۔ کچھ لو کچھ دو کے اصول کے تحت سازگاری پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں۔قرآن نے اس کا ذکر اس طرح کیا: وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ .(۲۷)
''وہ چاہتے ہیں کہ کچھ آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں''۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیات ۷۳ تا ۷۶ کا پس منظر بھی اسی طرح کا بیان کیا جاتا ہے کہ کفار نے آپؐ کے ساتھ سمجھوتہ،سودے بازے،''کچھ لو کچھ دو''اور سازگاری پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ان آیات مبارکہ کے شان نزول کے طور پر مفسرین نے جو روایات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ بنو ثقیف کے کچھ لوگ وفد کی شکل میں حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ لات کی عبادت کی ایک سال کیلئے اجازت دے دیں اور حرم کعبہ کی طرح لات کا بھی ایک حرم قرار دے دیں ہم ایک برس کے بعد ان بتوں کو توڑ دیں گے۔

۲۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کچھ یہودی منافقانہ انداز سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگے نبی کریمؐ نے ان کے ساتھ کسی حد تک مدارات کا انداز اپنایا۔اگر ان سے کوئی چھوٹی موٹی غلطی ہو جاتی تو درگزر فرماتے۔

۳۔ ان کی خواہش تھی کہ جب ان کے سردار حضورؐ کے پاس آئیں تو آپ اپنے پاس سے غریب صحابہؓ جو محنت مزدوری کرتے تھے، انہیں اٹھا دیا کریں کیونکہ وہ اپنے آپ کو سردار سمجھتے ہیں۔(۲۸)ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ قریش کہتے تھے کہ یہ بلال، صہیب ،عمار ،خباب، ابن مسعود آپ کے پاس بیٹھے ہیں ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔(۲۹) لیکن اسلام یہ برداشت نہیں کرتا کہ کفار اسلامی معاشرے کے کسی بھی فرد کو کم تر سمجھیں اور اس کے ساتھ بیٹھنے سے احتراز کریں۔

سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۲۷ اور ۲۸ میں بھی اسی طرح کا مضمون بیان ہوا ہے کہ آپ اپنے آپ کو انہی لوگوں کے ساتھ رکھا کریں جو اپنے رب کو صبح وشام یاد کرتے ہیں وہ اس کی رضاء کے حصول کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ آگاہ رہیں کہ آپ ان لوگوں (جو اللہ کا ذکر صبح شام کرتے ہیں) سے ہٹنے نہ پائیں۔کیا آپ دنیا کی زینت پسند کرتے ہیں۔آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرلی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔صاف کہہ دو کہ یہ تمھارے رب کی طرف سے حق ہے جس کا دل چاہتا ہے وہ اسے مان لے اور جس کا جی چاہے وہ اس پر ایمان نہ لائے۔''اس حکم سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ قرآن تو ہمیں اس قدر غیرت اور حمیت سکھاتا ہے ہم کفار کو خوش کرنے کیلئے ان کی اس قدر بات بھی نہ مانیں کہ اگر وہ کسی غریب اور بظاہر کم مرتبہ شخص سے نفرت کا اظہار کریں تو اسلامی معاشرے کا یہ بظاہر معمولی شخص بھی ان سے زیادہ عزت اور وقعت رکھتا ہے۔

کفار یہ بھی خواہش رکھتے تھے کہ آپ ﷺ قرآن میں سے وہ حصے خارج کردیں جن میں کفار کے عقائد کا رد اور ان کے طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے۔سورۃ یونس کی آیت نمبر ۱۵ میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ آپ قرآن مجید میں کوئی ردو بدل نہیں کر سکتے ۔اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ کافروں کو خوش کرنے کیلئے قرآن میں کوئی ردو بدل کر رہے تھے کہ جس سے منع کیا گیا ہو بلکہ یہاں کفار کو بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا کام لوگوں کو اس کے احکام بتلانا ہے،آپ ان احکام میں تبدیلی کے مجاز نہیں ہیں۔اس دین کو جوں کا توں ماننا لازم ہے۔اس موضوع کی مناسبت سے مستشرقین کبھی کہتے ہیں کہ اسلام ایک فرسودہ مذہب ہے اس کا تعلق چودہ سو سال پہلے کے زمانہ سے ہے،اب وقت اور حالات ومسائل بدل چکے ہیں اب اسلام موجودہ حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔اس کیلئے وہ اصلاحات تجویز کرتے ہیں۔یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ حدیث مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔لہذا انہیں حدیث سے بے نیاز ہوکر اسلام کی نئی تعبیر وتشریح کرنی چاہیے۔(۳۰) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ .(۳۱)''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد وکافر بنا دیں گے۔''

کفار مکہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو بھی دعوت کی راہ سے ہٹا دیں۔آپ دین کا ایک بہت بڑا حصہ چھوڑ دیں یا بدل دیں۔قرآن کا وہ حصہ حذف کردیں جس میں کفار کے معبودوں اور ان کے آباء کے طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے۔اگر آپ ایسا کرلیں تو پھر ہم ایمان لانے کو تیار ہیں۔چند برس قبل اخبارات میں ہندو انتہا پسندوں کی طرف سے یہ مطالبہ سامنے آیا تھا کہ جب تک مسلمان قرآن مجید سے وہ چالیس آیات نہ نکال دیں جن میں جہاد کا

حکم دیا گیا ہے ہم اس وقت تک مسلمانوں سے مل کر بیٹھ نہیں سکتے۔

مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ۵ھ تک کے تعلقات کا اگر ہم تقابل آج کے حالات کے ساتھ کریں تو ان میں خاصی مماثلت پائی جاتی ہے قرآن مجید نے مختلف مقامات پر ہمیں اسلام کے بارے میں کفار کی ذہنیت کی طرف متوجہ کیا ہے مثلاً مدینہ طیبہ آتے ہی مسلمان مسلسل جنگی صورتِ حال سے دوچار تھے۔ انہیں ایک طرف مدینہ طیبہ میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی بحالی کا مسئلہ درپیش تھا تو دوسری جانب پورا عالم عرب ان کے وجود کو مٹانے پر تُلا ہوا تھا۔ مسلمان مسلسل قربانیوں اور مشکلات سے گزر رہے تھے۔

ان حالات میں جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں کی مشکلات کا نقشہ قرآن مجید نے سورۃ الاحزاب کی آیات ۹ تا ۱۳ میں بیان کیا ہے کہ:" اس وقت دشمن کی فوجیں تمھارے اوپر ہر سمت سے آچڑھی تھیں یہ نقشہ دیکھ کر تمھاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور پریشانی کی وجہ سے کلیجہ منہ کو آرہا تھا اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے اس وقت مومنوں کو سخت امتحان میں مبتلا کیا گیا اور وہ شدید طور پر ہلا دئے گئے۔ اس حالت میں منافقین تمھیں کہنے لگے تھے کہ اللہ نے تمھاری مدد اور تمھارے غلبے کے جو وعدے تم سے کئے تھے سب دھوکہ تھے۔ منافقین، مومنوں سے کہنے لگے کہ جب سے تم نے ایمان قبول کیا ہے تمھیں ٹکنے اور سکون سے زندگی گزارنے کا موقع ہی نہیں مل رہا۔ اس لئے اس دین کو چھوڑ دو اور ہماری طرف آجاؤ"

آج بھی مسلمانوں کو بڑے مؤثر پروپیگنڈہ (جو ذرائع ابلاغ اور دیگر پروپیگنڈہ ایجنسیوں کے ذریعے کیا جارہا ہے) کے ذریعے ذہنی وفکری طور پر گھائل کیا جارہا ہے کہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ مغرب کے ساتھ سازگاری پیدا کرلیں۔ انہیں یہ بات باور کروائی جارہی ہے کہ وہ اہل مغرب کے ساتھ ہم سفر اور ہم خیال ہو جائیں اور دین اسلام کے غلبے کی خواہشات اور دینی تشخص کو محفوظ کرنے اور اس پر عمل پیرا رہنے کی خواہش دل سے نکال کر اسی فکر اور طرزِ زندگی کو اپنالیں جس پر اہل مغرب عمل پیرا ہیں۔ وہ دین اسلام اور اسلامی تہذیب کی برتری قائم کرنے اور تہذیبِ اسلامی کی دیگر تہذیبوں پر برتری کے احساسات کو ترک کر کے ایک ایسی فکر اور طرزِ معاشرت اختیار کرلیں جس میں اسلامی تشخص کی کوئی بات موجود نہ ہو۔ بلکہ انہیں سبق دیا جارہا ہے کہ آج پوری دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے، آج کا معاشرہ Multicultural ہے۔ اس میں مسلمانوں کو کچھ اس طرح رہنا ہوگا کہ وہ دوسروں کی تہذیب اور رسوم کو بھی اختیار کریں اور اپنے طرزِ زندگی کو اس نئے معاشرتی رجحان میں Adjust کریں۔ مسلمانوں کو یہی بات باور کروائی جارہی ہے کہ وہ اگر مغرب کی بات مان لیں تو اسی میں ان کی عافیت ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے حوصلے پست کرنے کیلئے انہیں یہ مشورہ دیا جارہا ہے کہ

وہ اہلِ مغرب کا مشورہ مان لیں تو وہ بھی اہلِ مغرب کی طرح آسودگی امن اور چین کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔آج بھی مسلمانوں کو درپیش معاشی و معاشرتی مسائل و مشکلات سے اہلِ مغرب فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنا ہمنوا اور ہم قدم بن جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔اس ہم نوائی اور ہم قدمی کے عوض میں وہ اپنی دولت اور تعاون کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھولنے کے لئے تیار ہیں۔لیکن سورۃ الاحزاب کی آیات میں مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ مشکلات میں دشمنوں کے مشوروں پر عمل کرنے اور ان کے ہم نوابن جانے کی بجائے مومنوں کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لرزش نہیں آنی چاہیے۔اور مؤمنین اور منافقین کے طرزِعمل کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا:وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا.(۳۲)"جب جنگ احزاب کے موقع پر مؤمنوں نے اپنی بے سروسامانی اور دوسری طرف پورے عالم کفر کا اپنے تمام وسائل حرب کے اکٹھا ہو کر حملہ آور ہو جانے کا نقشہ دیکھا ان کے ایمان مزید پختہ ہو گئے اور وہ پکار اٹھے کہ یہی آزمائش ہے جس کی خبر اللہ انہیں دی تھی۔اس آزمائش کو دیکھ مؤمن منافقوں کی طرح الٹے پاؤں بھاگ نہیں گئے ،بلکہ کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا کہ آزمائش ہوگی،اللہ کی کہی ہوئی بات پر ان کے ایمان پکے ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان ہماری فتح بھی قریب ہے۔

غیر مسلموں سے تعلقات کے حوالے سے ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ہوگی کہ نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے بعد دورِ خلفائے راشدین میں غیر مسلموں سے ایسا کوئی معاملہ نہیں کیا جس میں حضورا کرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی طرف سے ذرہ برابر بھی کفار کی طاقت سے مرعوبیت اور خوف کا مظاہرہ کیا گیا ہو۔ مکہ میں جس وقت مسلمان کمزور تھے اور کفّار ان پر تشدد کرتے تھے اس وقت بھی ایسا کوئی کام نہیں کیا جس میں کفّار کے سامنے جھکنے اور ان سے سازگاری پیدا کرنے کا تاثر ملتا ہو۔جسمانی اذیتوں سے لے کر شعبِ ابی طالب تک تمام صعوبتیں برداشت کیں لیکن جھکاؤ پیدا نہیں کیا۔مدینہ منوّرہ میں میثاقِ مدینہ میں مسلمانوں کو مکمل طور پر بالادستی حاصل ہوئی۔نبی کریم ﷺ کو سربراہِ مملکت کا مقام ملا۔اہل مدینہ کے تمام فیصلے آپؐ ہی صادر فرماتے تھے۔جنگوں میں جنگی قیدیوں تک کے فیصلے حضورؐ نے بالادستی میں کئے۔ صلح حدیبیہ میں بظاہر تاثر پیدا ہوا کہ مسلمان جھک کر معاہدہ کر رہے ہیں لیکن حالات نے ثابت کر دیا کہ جس چیز کو بظاہر جھکاؤ سمجھا گیا وہی بات حضورؐ کی سیاسی بصیرت اور نصرت خداوندی کا مظہر ثابت ہوئی۔اس کے بعد کے تمام معاملات میں فیصلہ مسلمانوں کی بالادستی کی شکل میں ہی ہوا۔دورِ خلفائے راشدین میں بھی مسلمانوں نے کبھی جھک کر معاہدہ نہیں کیا۔اس سے ہمیں یہ نکتہ ملتا ہے کہ غیر مسلموں سے معاملات

طے کرتے ہوئے قومی عزت نفس، وقار اور غیرت کے تحفظ کا خیال رکھا جائے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن کے دیگر مقامات پر اسی بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اسلامی غیرت کے دفاع کیلئے مصائب ومشکلات بھی برداشت کی جائیں اور محض اپنی زندگیوں کو مشکلات وقربانیوں سے بچانے کی خاطر دشمنوں سے سازگاری پیدا نہ کی جائے۔ ایسے تمام مقامات پر قرآن مسلمانوں کو باربار یاد دلاتا ہے کہ وہ اسلامی غیرت کے تحفظ کیلئے جب استقامت اختیار کریں گے اور اللہ پر توکل کریں گے۔ تو اللہ یقیناً ان کی مدد کرے گا اور قرآن کا وعدہ غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ سورۃ الاحزاب کی ابتدائی چار آیات میں مکالمہ بین المذاہب کے حوالے سے چار احکام دیے گئے ہیں۔ احکام یہ ہیں:

۱۔اتَّقِ اللّٰه (اللہ سے ڈرتے رہیں)

۲۔وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ. (کافروں اور منافقوں کی اتباع نہ کریں)

۳۔واتبع ما يوحي اليك من ربك (اسی چیز کی اتباع کریں جو آپ پر وحی کی صورت میں نازل کیا گیا ہے۔

۴۔وَتَوَكَّل عَلَى اللّٰهِ(اللہ پر توکل کریں)

اِتَّقِ اللّٰهَ کا مطلب ہے کہ دعوت دین کا کام نہایت حساس عمل ہے۔ اس میں داعیان حق کا کوئی بھی غیر ذمہ دارانہ فعل دعوت کے کام میں رکاوٹ کا باعث بن گیا تو یہ قابل گرفت ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ دوسروں سے مخاصمانہ رویہ اختیار کرلیا جائے یا اپنا موقف غیر مؤثر اور غیر مدلل انداز سے پیش کیا جائے جو اسلام کی کمزوری کے اظہار کا ذریعہ بن جائے۔ اِتَّقِ اللّٰهَ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مکالمہ بین المذاہب میں اپنی ذمہ داری سے مکمل صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا جائے۔ سستی، کسل مندی کا مظاہرہ نہ ہو۔

مکالمہ بین المذاہب کے سلسلے میں مسلمانوں کو جو خصوصی ہدایات دی گئی ہیں ان میں ایک خاص حکم یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اُن احکام کے تابع رکھیں جو وحی کے کو ذریعے ہمیں دیئے گئے ہیں اس سلسلے میں قرآن مجید کی متعدد آیات موجود ہیں۔ اس بات کا دوسرا رخ یہ ہے ہم مکالمے کے دوران اپنی خواہشات اپنے مفادات اور مصلحتوں کو درمیان میں حائل نہ کریں اور وحی ہی کی اتباع کریں سورۃ الانعام میں فرمایا: وان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل اللّٰه (۳۳)''اگر آپ ان میں سے اکثر کی بات کے پیچھے چلنے لگیں گے تو یہ آپ کو حق کی راہ سے دور کردیں گے۔''

سورۃ الاحزاب کی ابتدائی آیات میں ہمیں اس حوالے سے جو بنیادی احکام دئے گئے ہیں ان میں ایک حکم یہ ہے کہ وَلَا تُطِعِ الكافرین والمنا فقین (۳۴) کہ آپ ؐ کافروں اور منا فقوں کی بات نہ مانیں ۔ کافروں کی

خواہشات کے حوالے سے گزشتہ سطور میں بھی لکھا گیا ہے۔مفسرین کرام نے سورۃ الاحزاب میں بیان کیے گئے ان احکام کی تشریح کی ہے۔مکالمہ بین المذاہب کے عمل کے دوران ہمیں کفار اور منافقین کی خواہشات کی تکمیل سے منع کیا گیا ہے ۔تفسیر ابن کثیر میں اس سلسلے میں وضاحت کی گئی ہے کہ آپ ان سے مشاورت نہ کریں ان کے ساتھ مجالست کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔دین کے معاملات میں ان سے مشورے لینا، اپنے معاملات ان کے سامنے پیش کرنا اوران سے مشورہ کرنا دین کی عظمت کے منافی ہے ان سے بے جا مجالست ومشاورت بسا اوقات اس بات کا سبب بن جاتی ہے کہ کچھ پہلوؤں پر ان کی بات پر عمل کرلیا جائے۔ظاہر ہے کہ وہ تو ایسا ہی مشورہ دیں گے کہ جس میں ان کے مفادات کا دفاع ہوتا ہو۔یہاں روابط ومجالست کو ان کی بات ماننے کے معنوں میں اس لئے لیا گیا ہے کہ اس طرح کی کیفیت اور مشاورت عموماً مشورے ماننے پر منتج ہوتی ہے۔(۳۵)

مفتی محمد شفیع سورۃ الاحزاب کی ابتدائی آیات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اسلام تو کفار کے ساتھ ایسی کیفیت بھی پیدا کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو ان کی بات ماننے پر منتج ہوتی ہو۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو کام شریعت کی مخالفت اور خلاف ورزی ہیں ان میں کافروں کے مطالبے کے مطابق عمل کرنے کا تو سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ دین کے معاملات میں کفار سے مشورہ کرنا تو جائز نہیں البتہ دنیوی معاملات میں جہاں دین کا کوئی پہلو متاثر نہ ہوتا ہو، کفار سے ان کے تجربہ وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے ان سے مشورہ کرنا جائز ہے۔(۳۶) ولا تطع الکافرین والمنافقین کے حکم کو مفتی محمد شفیع کے اس بیان کی روشنی میں اگر ہم دیکھیں تو ہمیں اپنے ملک کی معاشی ،عسکری اور دیگر پالیسیاں مرتب کرنے میں ان کی مشاورت سے بچنا ہوگا۔ہمیں اپنے تعلیمی نظام کی ترتیب وتشکیل میں خصوصی طور پر نزاکت وحساسیت کو سمجھنا چاہیئے کہ نظام تعلیم کسی قوم کی فکری وعلمی تربیت کرتا ہے لیکن ہمارے ہاں وہ نظام تعلیم رائج ہے جس سے دوسروں کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے اور جس کے نفاذ کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ یہاں ایک ایسا تعلیمی نظام رائج کیا جائے جس کے نتیجے میں لوگوں میں مسلمانیت راسخ نہ ہونے پائے اور وہ نتائج حاصل کیے جائیں جن کی نشاندہی لارڈ میکالے نے کی ہے کہ ایسے مسلمان پیدا کیے جائیں جو فکر کے اعتبار سے اس قدر کمزور ہوں کہ ان میں اور دیگر مذاہب کے لوگوں میں کوئی فرق نہ ہو۔(۳۷)

ولا تطع الکافرین و المنافقین کے حوالے سے عصرِ حاضر میں یہ بات بھی بڑی توجہ طلب ہے کہ مسلمانوں نے مغربی فکر سے مرعوب ہوکر باقاعدہ منصوبے کے تحت اسلام کی مسلمہ اقدار خصوصاً عورت کے حقوق کے حوالے سے ایسی توضیحات اور تاویلات کرنا شروع کردی ہیں کہ ان توضیحات کے نتیجے میں اسلام کی بنیادی اقدار کی شکل بگاڑ کر مغربی اقدار کے ساتھ پیوند کاری کرنے کی کوششیں ہونے لگی ہیں ۔مسلمانوں نے مغربی فکر سے

مرعوب ہوکر ایسی تشریحات کر دی ہیں کہ عنوان اور الفاظ وہی ہوں جو اسلام نے استعمال کئے ہیں لیکن معمولی تبدیلی کے ساتھ اسلام اور غیر اسلام کو خلط ملط کر کے ایسی عملی شکل پیدا کر دی جائے کہ اسلامی اقدار کی روح ختم ہوجائے اور اس میں مغربی فکر نمایاں ہوجائے۔قرآن مجید نے اسی کیفیت کا ذکر اس طرح کیا ہے:وَاِنَّ مِنهُم لَفَرِيقًا يلوٗن ألسِنتَهُم بِالكِتٰبِ لِتَحسَبُوهُ مِنَ الكِتٰب وَمَا هُوَ مِنَ الكِتٰبِ وَيَقُولَونَ هُوَ مِن عِندِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِن عِندِاللّٰهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الكَذِبَ وَهُم يَعلَمُونَ.(۳۸) 'یقیناً ان میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو چکر دے کر بات کرتا ہے تاکہ وہ ایسے مفاہیم پیدا کر لے کہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ وہ بات کتاب میں سے نہیں ہوتی۔یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں یعنی جو بات اللہ نے نہیں کہی اسے اللہ کی جانب منسوب کرتے ہیں'۔

ولا تطع الكافرين والمنافقين ."آپ کافروں اور منافقین کی بات کی پیروی نہ کریں"۔کافروں کی پیروی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ مخالفین کی یہ حکمت عملی رہی ہے کہ وہ حق والوں کو ان کے مشن سے ہٹانے اور انہیں ادھر ادھر کے کاموں میں الجھانے کیلئے غیر ضروری اور غیر متعلق ضمنی بحثوں میں الجھا دیتے ہیں تاکہ دعوت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے کام سے مسلمانوں کی توجہ ہٹ جائے اور وہ اصل کام کی تکمیل نہ کرنے پائیں۔ان کے مالی ،فکری و ذہنی اور افرادی وسائل محض الجھاؤ اور بے مقصد بحثوں میں کھپ جائیں۔یہ بات خصوصاً آج کے دور کیلئے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ مستشرقین نے مسلمانوں کو کن کن ضمنی موضوعات میں الجھا دیا ہے اور ان کے وسائل کا بہت بڑا حصہ دعوتِ دین ، اجتہاد اور فلاح انسانیت میں صرف ہونے کی بجائے محض مستشرقین کے بے بنیاد اعتراضات کے جوابات میں صرف ہورہا ہے۔مسلمانوں کا اصل کام دعوتِ دین اور دنیا کو پیش آنے والے مسائل کے حل کیلئے اجتہاد کر کے اسلام کے بارے میں ہر دور میں یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام ان کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔اگر دعوتِ دین اور اجتہاد کا کام رک گیا تو گویا مخالفین حق کا مقصد پورا ہوگیا۔اس لئے مکالمہ بین المذاہب میں مکمل طور پر چوکنا اور مستعد ہوکر کام کرنا ہوگا۔مسلمانوں کو اپنی فکری Intellectual صلاحیتوں کو منظم اور ان کی سمت کو درست رکھنا ہوگا۔جس طریقے سے ایک ڈرائیور چوکنا ہوکر بیٹھتا ہے۔چاروں اطراف اس کی نگاہ میں ہوتی ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی اپنی سمت کا ہر لمحہ خیال رکھنا ہوگا کہ مخالفین کہیں ہمیں غلط اور غیر ضروری بحثوں میں الجھا کر ہمیں اصل کام سے دور تو نہیں لے جارہے۔سورۃ البقرۃ کی آیت فاعفوا واصفحوا (۳۹) کے تحت مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ ان کے عناد اور حسد کو دیکھ کر مشتعل نہ ہوں،ان سے بحثیں نہ کریں،مناظرے نہ کریں۔جھگڑوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں،صبر کے ساتھ دیکھتے رہو کہ اللہ کیا کرتا ہے۔فضولیات میں اپنی صلاحیت صرف کرنے کے بجائے اللہ

کے ذکر اور بھلائی کے کاموں میں انہیں صرف کرو۔(۴۰) سورۃ القصص میں فرمایا گیا ہے: وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ .(۴۱) کہ آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ کفار آپ کو ان بے مقصد اور بے بنیاد کاموں میں الجھا کر دین کی تبلیغ سے روکنے کا سبب نہ بن جائیں، آپ اپنا کام کرتے رہیں۔

قرآن مجید نے یہود کے بارے میں بتلا دیا ہے کہ ولن ترضٰی عنك الیهود ولا النصارٰی حتی تتبع ملتهم .(۴۲) یہود اور نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ اپنے آپ کو ان کے مذہب کے تابع نہ کرلیں اس آیت کے تحت مولانا اصلاحی لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے سامنے مسئلہ، حق کی وضاحت اور دلائل کا نہیں بلکہ یہ اپنے اپنے طریقے پر جمے ہوئے ہیں۔انہیں جواب دے دو" قل إنّ هُدَى اللّٰه هُوالهدیٰ .(۴۳) ہدایت وہی ہے جسے اللہ نے ہدایت کے طور پر نازل کیا ہے۔گویا یہ لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ تم اپنا مذہب چھوڑ کر ہمارا مذہب اختیار کرلو کیونکہ یہ عافیت کا راستہ ہے لیکن اے مسلمانو تم جان لو کہ ہدایت کا راستہ وہ نہیں جسے تمہارے دشمن راہِ ہدایت کہتے ہیں بلکہ ہدایت وعافیت کا راستہ وہ ہے جسے اللہ نے ہدایت کہا ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ولن ترضٰی عنك... (۴۴) کے ضمن میں تبیان القرآن میں لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے تحریف شدہ دین کو اختیار نہ کرلیں اس کے بعد فرمایا کہ ہدایت وہی ہے جو آپؐ پر نازل کی گئی ہے۔آپؐ یہود نصاریٰ کی پیروی ہرگز نہ کریں۔یہ کافر اپنے طور پر آپؐ کو اس چیز سے بچانے کی کوشش کررہے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے تاکہ ان کے خیال کے مطابق آپ ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں۔اوران سے سازگاری پیدا کرلیں کچھ ان کی مان لیں اور کچھ اپنی منوالیں۔اس آیت مبارکہ میں مکالمہ بین المذاھب کے حوالے سے یہ اصولی بات بتلائی گئی ہے کہ دین کے کسی حکم میں دوسروں کو راضی کرنے کیلئے کوئی تبدیلی کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔اگر بالفرض والمحال ایسا ہو جاتا تو یہ آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے لیکن آپ اللہ کی تائید ونصرت سے ایسا ہرگز نہ کرنے والے تھے اور نہ ہی آپ نے ایسا کیا۔اس حوالے سے مسلمانوں پر یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ ولئن اتبعت اهواء هم بعد الذی جاء ك من العلم مالك من اللّٰه من ولی ولا نصیر (۴۵) اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے بعد اس کے کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس علم آچکا تو اللہ کی طرف سے تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔اس کے ساتھ ہی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۳ میں فرمایا کہ یہ لوگ تو اپنے طور پر پوری کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے آپ پر جو اتارا گیا ہے آپ اس سے دور ہو جائیں اور اپنی طرف سے اس کے علاوہ کوئی اور چیز گھڑ لیں۔اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا

دوست بنا لیتے لیکن ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر۷۴ میں تعریض کے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر نبیؐ ایسا کریں کہ کافروں کو خوش کرنے کے لئے ان کے نقطہ نگاہ کی طرف میلان اور جھکاؤ پیدا کر لیں۔جس کا کہ کوئی احتمال وامکان نہیں ہے،تو انہیں بھی سخت لفظوں سے ایسا کرنے سے روک دیا گیا ہے اس طرح تمام مسلمانوں کو نہایت سخت الفاظ سے کفار کے معاملے میں جھکاؤ پیدا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اگر انہوں نے بالفرض ایسا کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے ۔مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی رضا طلبی کے لیے لازم ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کر لیں۔لیکن ان کا دین تو سراسر محرّف ہے۔اس لیے ان کی رضاء طلبی کے لیے لازم ہے کہ آپ ایک محرّف دین کو اختیار کر لیں۔

۲۔اسلام رحمتِ خداوندی اور توفیق الٰہی سے مالا مال ہے۔اس دین والوں کو باطل کی پیروی مناسب نہیں ہے۔

۳۔جب آپ کے لیے باطل کی پیروی محال ہے تو ملت یہود ونصاریٰ کی پیروی جو خود ایک زیغ (ٹیڑھاپن)اور باطل ہی پیروی ہے۔اس کی پیروی بھی آپ کے لیے محال ہے۔اس لیے ان باطل پرستوں کی رضاء حاصل کرنے کی کوشش آپ کے لیے مناسب نہیں۔(۴۶)

قرآن نے دوٹوک انداز میں بتلا دیا ہے کہ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْ مِنْ وَّمَن شَآءَ فَلْيَكفُرْ.(۴۷)(جس کا جی چاہتا ہے مان لے جس کا جی نہیں چاہتا وہ نہ مانے) مگر کوئی یہ امید کسی بھی حال میں نہ رکھو کہ تمھیں راضی کرنے کیلئے اس دین مین کوئی ترمیم کی جائے گی خواہ وہ کیسی بھی معمولی تبدیلی کیوں نہ ہو۔مولانا مودودی لکھتے ہیں یہ اس مطالبے کا جواب ہے جو کفار کی جانب سے بار بار کیا جاتا تھا کہ ایسی بھی کیا ضد ہے کہ ہم تمھاری بات مکمل طور پر مان لیں۔ آخر آپ بھی ہمارے آبائی دین کے عقائد اور رسم ورواج کی کچھ تو رعایت کریں۔آپ کچھ تو ہماری بھی مان لیں۔ کچھ آپ ہماری مان لیں کچھ ہم آپ کی مان لیتے ہیں۔اس پر سمجھوتا ہو سکتا ہے اور قوم پھوٹ سے بچ سکتی ہے۔سورۃ یونس کی آیت نمبر ۱۵ میں بھی اسی طرح کی بات بیان ہوئی ہے کہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَه مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ .(۴۸)

’’اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں وہ کہتے ہیں کہ (یا تو) اس کے سوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ یا اسکو بدل دو۔آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے۔اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔‘‘

وَدَّتْ طَّايِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ‎.(۴۹)

''(اے اہل اسلام!) اہل کتاب میں سے بعض اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تمہیں گمراہ کردیں مگر یہ (تم کو کیا گمراہ کریں گے) اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور نہیں جانتے۔''

مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کی کوشش:

مسلمانوں سے کفار کے رویے کے بارے میں قرآن نے جگہ جگہ خبردار کیا ہے کہ وہ ان کے بارے میں اپنے دلوں میں کیا منفی توقعات چھپائے ہوئے ہیں۔مندرجہ ذیل آیت مبارکہ مسلمانوں کے بارے میں مستشرقین کے رویے کو بیان کرتی ہے :اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ. وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.(۵۰) ''کیا تم اپنے رسول سے یہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا۔(یادرکھو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں،تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ سوال کا معنیٰ اگرچہ مانگنا۔ درخواست کرنا، مطالبہ کرنا اور پوچھنا ہوتا ہے لیکن سوال بعض صورتوں میں اعتراض اور استہزاء کے طور پر بھی کیا جاتا ہے۔اس صورت میں آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے اس طرح کے سوال کرو جن کا مقصد اس کے احکام وفرامین پر اعتراضات کرنا اور اس کے احکامات کا مذاق اڑانا ہو اور اعتراضات واستہزا پر مبنی ان سوالات کا مقصد یہ ہو کہ بجائے اس کے کہ لوگ نبی کی باتوں پر ایمان لائیں تم ان سوالات کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں نبی کی بات کے بارے میں انحراف اور انکار کا رویہ پیدا کرو۔ بجائے اس کے کہ لوگ نبی کی بات پر ایمان لائیں، تمھارے اس اعتراض اور استہزاء سے آلودہ سوال کی وجہ سے ان میں انحراف وانکار اور نبی کی بات کا مذاق اڑانے کا رجحان پیدا ہو۔اس آیت کریمہ میں اس رویے کو ایمان کو کفر سے بدل دینا قرار دیا گیا ہے۔(۵۱)اس طرح کی تشریح مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی کی ہے۔(۵۲)اس آیتِ مبارکہ میں ہمارے موضوعِ بحث کے حوالے سے نقطہ ملتا ہے کہ دور حاضر کے مخالفینِ اسلام کے بارے میں رویے کا مقصد اور ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں میں ان کے دین سے انحراف کیلئے فضا پیدا کی جائے۔ دین کا مذاق اڑا کر اس کی قدرومنزلت ان کے دلوں سے کم کی جائے۔مولانا امین احسن

اصلاحی کے خیال میں اس آیت کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اسلامی احکام کے بارے میں مستشرقین کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر تم دین کی ایسی تشریح وتوضیح نہ کر لینا جس میں یہود کے نقطہ نگاہ سے متاثر ہونا پایا جائے اور اسلام کی ایسی تشریح نہ کرنے لگ جانا جس میں اسلامی روح کو قائم رکھنے کی چنداں پرواہ نہ کی جائے۔(۵۳)

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غیر مسلموں کا رویہ عہد نبوی کے کفار سے مکمل مماثل ہے اس لیے ہمیں مخالفین کے طرزِ عمل کے جواب میں وہی طرزِ عمل اختیار کرنا ہوگا جو قرآن مجید نے بتلایا ہے،اور جس پر نبی کریم ﷺ پیرا ہوئے۔

آج کے معاندینِ اسلام نے نبی کریم صلعم کی ذات گرامی اور قرآن کے بارے میں بے بنیاد اعتراضات کے انبار لگا دیئے ہیں۔سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۰۸، ۱۰۹ ان لوگوں کے اسی رویے کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ان آیات میں یہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ یہود کی یہ تمام سرگرمیاں صرف اس غرض سے ہیں کہ تمھیں ایمان سے ہٹا کر پھر کفر کی طرف پلٹا دیں۔ان کی یہ سرگرمیاں دینِ اسلام کے بارے میں کسی غلط فہمی کے طور پر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ کسی غلط فہمی کا ازالہ چاہتے ہیں بلکہ یہ حسد سے بھرے ہوئے ہیں۔وہ یہ حسد اپنے نفس کی تحریک پر کرتے ہیں ۔ان پر اسلام کا برحق مذہب ہونا واضح ہو چکا ہے،فرمایا:" اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (۵۴)"وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی وہ اس کیبر حق ہونے کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔(اس کے باوجود بھی) ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے۔"

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۹ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ. کے ضمن میں مفسرین لکھتے ہیں کہ جنگِ احد میں مسلمان شہید ہوئے تو یہود نے یہ پروپیگنڈو کرنا شروع کر دیا کہ دیکھو اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو اللہ مسلمانوں کی مدد کرتا۔ ان کے اس طرزِ عمل کے حوالے سے مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ان کی ایسی باتوں پر کان نہ دھریں بلکہ فرمایا فاعفوا واصفحوا یعنی ان کی باتوں کو نظر انداز کر دیں۔

استقامت اختیار کرنے کا حکم:

قرآن نے جنگِ احزاب کے موقع کا نقشہ سورۃ الاحزاب کی آیات ۲۲، ۲۳ میں پیش کر کے واضح کر دیا کہ مشکل حالات میں ایک پُرسکون زندگی کے خواب میں یہود اور منافقین کے ساتھ دوستی قائم کرنے کے بجائے آزمائش اور مشکلات میں دین پر استقامت اختیار کرو اور مومنوں والا انداز اختیار کرو جن کے بارے

میں سورۃ الاحزاب میں بیان کیا گیا کہ وہ ایسی مشکلات میں مبتلا کیے گئے کہ ان کے کلیجے منہ کو آنے لگے اور وہ سخت طور پر ہلا دیے گئے،لیکن مومنوں کے بارے میں الاحزاب کی آیت نمبر۲۳ میں فرمایا کہ وَمَا بَدَّ لوا تبدیلاً یعنی ان لوگوں کے پائے ثبات میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔اسی سورت کی آیت نمبر ۳۹ میں فرمایا کہ حق اور باطل کی کشمکش میں اگر مسلمان صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہیں گے اور غیروں سے مرعوب و خائف نہیں ہوں گے تو غلبہ انہی کا ہوگا اور غلبے کی اس یقین دہانی کے بارے میں فرمایا: وکَان امر اللّٰه قدرا مقدوراً، یعنی جس چیز کو اللہ نے مقدر ولازم کر رکھا ہے وہ من وعن وقوع پذیر ہو کے رہے گی۔قرآن نے مسلمانوں پر تصویر کے دونوں رخ واضح کر دئے ہیں کہ کفار کے ہم نوا نہ بننے کی صورت میں اللہ کی نصرت ان کے ساتھ ہوگی لیکن اگر وہ دوسروں کی باتوں اور خواہشوں پر عمل پیرا ہو جائیں گے تو پھر اللہ بھی بڑے غیرت والے ہیں۔

عزیمت اور اسوۂ ابراہیمی:

دیگر مذاہب کے حوالے سے اسلام کا نقطہ نگاہ جارحانہ نہیں ہے تاہم وہ دین کے بنیادی اصولوں پر استقامت اور عزیمت کی تعلیم دیتا ہے۔سورۃ الممتحنۃ میں بہت سی اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں ۔آیت نمبر ۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال پیش کی گئی ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے علاقے کے لوگوں کے عقائد کی پرواہ کئے بغیر ہمت وجرأت،عزم واستقلال اور عزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے توحید کا نعرہ بلند کیا۔دلائل کے ساتھ توحید لوگوں کے دلوں میں بٹھائی،اللہ پر مکمل طور پر توکل کیا۔مومنوں کو بھی دین کے اظہار کے سلسلے میں اپنے معاشرے اور ماحول سے مرعوب ہوئے بغیر کلمہ حق بلند کرنا چاہیے۔حضرت ابراہیم نے مشرکانہ ماحول سے اظہار ناپسندیدگی کیا اور معاشرے پر مسلط طاغوتی فکر سے کہہ دیا کہ اِنَّا بُرَءٰٓؤُ مِنكُم وَمِمَّا تَعبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰه كَفَرنَا بِكُم...(۵۵)ہم تم سے اور جن کی عبادت تم اللہ کے علاوہ کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں جب تک کہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لے آؤ۔ اور پھر یہ بھی فرمادیا کہ رَبَّنَا عَلَيكَ تَوَكَّلنَا وَ اِلَيكَ أَنبنَا وَ اِلَيكَ المَصِيرُ.(۵۶)''اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر توکل کیا اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

حضرت ابراہیم کے عزم کے حوالے سے سورہ النحل کی آیت نمبر۱۲۰ میں فرمایا گیا ابراہیم تو تنِ تنہا ایک امت کی مانند تھے انہوں نے اکیلے شرک کے معاملے میں قوم کا مقابلہ کیا۔حضرت ابراہیم کے اسی استقلال کے صلے میں اللہ نے انہیں اعزازات سے نوازا اور فرمایا''ہم نے ابراہیم کو چن لیا اور انہیں ہدایت کی راہ پر چلایا انہیں جد الانبیاء کا اعزاز ملا۔گویا اللہ کے دین پر قائم رہتے ہوئے کسی دور کے بے دینی کے رجحانات کا مقابلہ کرنا اسوہ

ابراہیمی ہے اور یہی رویہ اللہ کی طرف سے انعامات کا سبب ہے۔اس جگہ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ باطل کی خوشنودی کیلئے اپنے نقطہ نگاہ کی ایسی ناروا تشریح وتعبیر کرنے سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے جن سے دین کی روح مجروح ہوجائے تو دوسری جانب کسی کی مخالفت کا خوف دل میں نہ رکھنا اور استقامت وعزیمت پر قائم رہنا۔

دعوتِ دین میں معذرت خواہانہ انداز کی ممانعت:

اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور اعتراضات سے مرعوب ہوکر معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے سے روکتے ہوئے قرآن نے بڑا تنبیہی اور سخت قسم کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔سورۃ المائدہ کی آیات نمبر ۵۱ تا ۵۶ میں مکالمہ بین المذاہب کے حوالے سے جو بڑی بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں اِن میں ایک بات یہ ہے کہ ۔''مومن ہی مومنوں کے دوست ہوتے ہیں''۔آیت نمبر ۵۱ میں فرمایا'' اے ایمان والوتم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ان میں سے بعض بعض کے دوست ہوتے ہیں '' گویا یہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔اسی بات کا ذکر سورہ التوبۃ کی آیت نمبر ۷۱ میں بھی ہوا ہے فرمایا المؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض... اس کے برعکس اسی سورت کی آیت نمبر ۶۷ میں فرمایا منافق منافقوں ہی کے ساتھی ہوتے ہیں'' یعنی غیر مومن ،مومن کے دوست اور خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔اگر تم سمجھتے ہو کہ غیر مومن بھی تمھارے دوست ہو سکتے ہیں تو یہ تمھاری خام خیالی ہے۔

سورۃ المائدۃ میں فرمایا: يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ. (۵۷)

(''اے ایمان والو اگر تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم لائے گا جو اللہ کو محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ مسلمانوں کے لئے تو نرم دل ہوں گے اور کفار کے معاملے میں سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کریں گے)''۔اسی بات کو اس طرح بھی بیان کیا گیا کہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ..(۵۸) اگر تم اس کے دین سے پھر جاؤ تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے جو تم جیسے نہیں ہوں گے۔

سورۃ النساء میں فرمایا:اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ. (۵۹) اگر اللہ چاہے تو اے لوگو! وہ تم سب کو لے جائے اور دوسروں کے لے آئے۔سورۃ الرعد میں فرمایا: وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ. (۶۰) اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور نئی مخلوق لے آئے۔

گویا اگر تم دین سے انحراف کر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو متمکن کریں گے جو دین پیش کرنے کے معاملے میں کسی طرح کی لگی لپٹی نہیں کریں گے بلکہ دین پر ہر حال میں قائم رہیں گے۔اسی بات کو قرآن نے صحابہ

کرامؓ کی صفت کی شکل میں یوں بھی بیان کیا ہے: أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (۶۱) یعنی یہ لوگ دین کے دوستوں کے ساتھ تو نرم ہوتے ہیں مگر وہ دین کے دشمنوں کے ساتھ سخت ہیں۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ اگر تم کسی مفاد کی خاطر یا کافروں سے مرعوب ہو کر دین سے پھر جاؤ گے یا کافروں کی خوشنودی کی خاطر دین کو ایسی شکل دے دوگے کہ دین کی اصل روح مجروح ہو جائے اور اس کی شکل بگڑ جائے تو اللہ تمھاری جگہ ایسی قوم کو لے آئیں گے جو ہر حیثیت سے تم سے بہتر ہو گی۔ گویا کافروں کو خوش کرنے کے لئے دین کی مرعوبانہ تشریح ایک سنگین جرم ہے۔ مسند احمد میں روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا لوگوں کی ہیبت میں آکر حق گوئی سے باز نہ آجانا۔ یاد رکھو نہ کوئی موت کو قریب کرسکتا ہے نہ رزق کو دور کرسکتا ہے۔ مسند احمد ہی کی روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا شریعت کے خلاف کوئی کام دیکھ کر یا سن کر اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر خاموش نہ ہو جانا ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پُرس ہو گی۔ اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے خاموش ہو گیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ جواب دیں گے کہ میرا حق زیادہ تھا کہ تم مجھ سے ڈرتے۔ اس سلسلے میں رسول ﷺ کا اسوہ موجود ہے کہ جب کفار مکہ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس طرح کی سودے بازی کی کوشش کی تو حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا کی: اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ (اے اللہ مجھے ایک لمحہ کیلئے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا۔ (۶۲)

داعی حق صرف اللہ سے ڈرے:

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۵۴ میں مومنوں کی مطلوبہ خصوصیات میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے گھبراتے نہیں ہیں۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۹ میں اسی حوالے سے فرمایا گیا :وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ . (جو لوگ اللہ کا دین دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں انہیں صرف اللہ ہی سے ڈرنا چاہیئے۔ وہ ڈریں تو صرف اللہ سے ڈریں۔ کیونکہ اگر لوگوں کے خوف سے دین کی حقیقی تصویر پیش نہیں کی جائے گی اور سوچا جائے کہ اگر صحیح تصویر پیش کی تو لوگ Fundamentalist یا کوئی اور طعنہ دیں گے اور اسی سوچ کے تحت دین کی ایسی تعبیر کی جائے کہ لوگ خوش ہو جائیں۔

استقامت وعزیمت پر نصرتِ الٰہی کا وعدہ:

قرآن مجید نے دوسروں کے خوف سے مرعوب ہو کر دین کی معذرت خواہانہ تعبیر وتشریح کی سختی سے ممانعت کی ہے اور دوسری طرف یہ بات بھی واشگاف لفظوں میں بیان کر دی ہے کہ اگر مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں گے تو اللہ بھی ان کی مدد کرے گا۔ قرآن کی متعدد آیات اس سلسلے میں موجود ہیں کہ اگر مسلمان عزم واستقامت کی راہ اختیار کریں گے تو اللہ یقیناً مومنوں کی مدد کریں گے۔ سورۃ الاحزاب کی ابتدائی آیات میں جہاں کافروں اور

مفافقوں کی بات نہ ماننے اوروحی پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تو ساتھ ہی فرمایا: وتوکل علی اللّٰہ وکفی باللّٰہ وکیلا اور اللہ پر توکل کرو اور اللہ محافظ کے طور پر کافی ہے۔اسی طرح سورۃ الاحزاب ہی میں آیت نمبر ۳۹ میں جہاں صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں فرمایا: وکفی باللّٰہ حسیباً آیت نمبر ۳۸ میں اسی بات کو اس انداز سے بیان کیا گیا کہ نبی ﷺ پر اللہ کی جانب سے جو بات لازم قرار دے دی گئی ہے اور جس کام کی انجام دہی کا حکم آپ کو دیا گیا ہے اس کی انجام دہی میں کوئی بھی آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا، اور اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہوتا ہے وہ ہر حال میں وقوع پذیر ہو کر رہتا ہے۔سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۶۷ میں فرمایا:" وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ." ''اللہ آپ کو (لوگوں کے منفی منصوبوں سے) بچا کر رکھے گا۔

سورۃ المجادلۃ کی آیت نمبر ۲۱ میں فرمایا: کتب اللّٰہ لا غلبن انا ورسلی ان اللّٰہ قوی عزیز اللہ نے یہ بات لازم کر دی ہے کہ وہ اور اس کا رسول بہر حال غالب آ کر رہیں گے۔اسی جگہ فرمایا: اَلااِنّ حزب اللّٰہ ھم الغالبون خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کا گروہ ہی غالب آکر رہے گا۔ دوسری جگہ فرمایا: اَلااِنّ حزب اللّٰہ ھم المفلحون اللہ کا گروہ ہی فلاح وکامیابی حاصل کرنے والا ہے۔سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۷۲-۱۷۱ میں فرمایا: وان جندنا لھم الغٰلبون ہمارے گروہ ہی غالب آنے والے ہیں۔سورۃ الروم نمبر ۴۷ میں فرمایا: وکان حقا علینا نصر المومنین یہ بات ہم پر لازم ہے کہ ہم مومنوں کی مدد کرتے ہیں۔نیز فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡھِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ.(۶۳) ''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ۔''

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ حق والوں کو اللہ کی ان خوش خبریوں کے سچا ہونے کا یقین ذہن میں بیٹھ جائے۔مکالمہ بین المذاہب اپنے ظاہری معنوں میں بے شک ایک مستحسن عمل ہے لیکن مسلمانوں کو اس بات سے باخبر کر دیا گیا ہے کہ غیروں سے خیر سگالی پیدا کرتے کرتے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مصنوعی طور پر ان کے دینی احکام اور رسوم ورواج کی اپنے دین کے احکام کے ساتھ مماثلت اور قرب ظاہر وثابت کرتے کرتے کہیں دین کے حقائق کی شکل مسخ کرنے نہ لگ جانا۔یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جب دوسروں سے خیر سگالی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے موقف میں خواہ مخواہ نرمی دکھانے لگ جاتا ہے تا کہ کسی نہ کسی طور پر موافقت اور خیر سگالی کی فضا پیدا ہو جائے۔اس سلسلے میں ناروا اور تکلیف دہ تاویلات کے ذریعے اپنے موقف سے انحراف کے رستے ہموار کئے جا رہے ہیں۔ ان تاویلات کا مقصد دوسروں کو راضی کرنا ہے جس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ حضورؐ نے صلح حدیبیہ میں محمد رسول ﷺ اللہ کے الفاظ کاٹ دئے تھے۔محض دوسروں کو خوش کرنے کیلئے ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسلام اور دیگر مذاہب کو پہلو بہ پہلو (side

by side) رکھ کر موازنہ کیا جا رہا ہے۔ اگر اس طرح کا تقابل موجود ہے اور ان مذاہب میں وہ سب کچھ موجود ہے جو اسلام میں ہے تو پھر تکمیل دین، کاملیت و جامعیتِ اسلام کے امتیازی وصف کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف ہمارا نہیں بلکہ خود دیگر مذاہب والوں کا موقف بھی یہی ہے کہ ان مذاہب میں تحریف ہو چکی ہے تو کیا ان مذاہب کی تعلیمات کے محرف ہو چکنے کے بعد بھی ان کی تعلیمات کو اسلام کے پہلو بہ پہلو لا کر موازنہ کرنا یقیناً اسلام کے ساتھ زیادتی نہیں ہے؟ ایسا کرنا اسلام کے نادان دوست کا کردار ادا کرنا ہی ہے۔

قرآن مجید نے اس سلسلے میں سخت لفظوں میں متنبہ کر دیا ہے کہ اگر کچھ دینوی مفادات حاصل کرنے کیلئے تم دین کی ایسی تعبیر وتشریح کرنے لگو گے جس میں دین کی روح کو مجروح کیا گیا ہو تو تم قرآن کی اس آیت کے مصداق بن جاؤ گے: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَ اَیۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ وَ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَکِّیۡهِمۡ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ. (۶۴)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد یعنی اس کے احکام و فرامین اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے نہ تو بات کرے گا نہ ان کی طرف نگاہِ کرم کرے گا۔ نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) آل عمران:۱۰۴

(۲) المائدۃ:۵۱

(۳) الممتحنۃ:۱

(۴) آل عمران:۲۸

(۵) النساء:۱۳۹

(۶) الممتحنۃ:۸

(۷) القاسمی، بدرالحسن، مولانا: امن فکری کی راہ میں درپیش رکاوٹیں، مقالہ مشمولہ مجلہ ترجمان دارالعلوم اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۹، تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند، نئی دہلی، ص ۱۱۔۱۲

(۸) السقار، منقذبن محمود: الحوار مع أتباع الأديان مشروعيته وآدابه، رابطة العالم الإسلامی، ص۲۵؛ القاسم، خالد بن عبدالله : الحوارمع أهل الكتاب أسسه ومناهجه فی الكتاب والسنة، الرياض: دار المسلم للنشر والتوزيع، ۱۴۱۴ھ، ص ۱۱۲۔۱۳۳

(۹) الممتحنۃ:۱

(۱۰) آل عمران:۷۲

(۱۱) آل عمران:۷۵

(۱۲) آل عمران:۲۸

(۱۳) آل عمران:۱۱۸

(۱۴) المجادلۃ:۲۲

(۱۵) الانعام:۱۱۴، ۱۱۵

(۱۶) آل عمران:۹۹

(۱۷) الانفال:۶۱

(۱۸) الممتحنۃ:۸

(۱۹) ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ۱/۳۶۲

(۲۰) الطبرانی، سلیمان بن أحمد: المعجم الصغیر، حدیث نمبر ۷۵۱، ج۲/ص ۴۴

(۲۱) الشوکانی، فتح القدیر، ۵/۵۰۸

(۲۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، :۲۸۳، ۲۸۴

(۲۳) ایضا
(۲۴) شبلی نعمانی، سیرت النبی ا/۱۴۳
(۲۵) السیوطی، جلال الدین: الدرالمنثور، ۸/۲۱اذیل سورۃ الاحزاب:۱،۲،۳؛ الآلوسی محمود أبوالفضل: روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۲۱/۱۴۳
(۲۶) محمد شفیع، مفتی: معارف القرآن، کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۰۱ء، ۷/۷۹
(۲۷) القلم:۹
(۲۸) تبیان القرآن بنی اسرائیل:۷۳
(۲۹) ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، دارطیبۃ للنشر والتوزیع، ۳/۲۵۹ (ذیل سورۃ الأ نعام:۵۳)
(۳۰) ابوالحسن علی ندوی، مولانا مسلم ممالک میں اسلامیت کی کشمکش، ص
(۳۱) آل عمران:۱۰۰
(۳۲) الاحزاب:۲۲،۲۳
(۳۳) الانعام:۱۱٦
(۳۴) الأ حزاب:۱
(۳۵) محمد شفیع، مفتی: معارف القرآن، ۷/۸۰
(۳٦) ایضا، ۷/۸۱
(۳۷) بخاری، سید شبیر، میکالے اور برصغیر کا نظام تعلیم (اردو ترجمہ) لاہور: آئینہ ادب ۱۹۸٦ء، ص:۴۵؛ عثمانی، محمد تقی: ہمارا تعلیمی نظام، کراچی: مکتبہ دارالعلوم، ۱۴۱۵ھ، ص ۷٦
(۳۸) آل عمران:۷۸
(۳۹) البقرۃ:۱۰۹
(۴۰) تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۰۳
(۴۱) القصص:۸۷
(۴۲) البقرۃ:۱۲۰
(۴۳) ایضا
(۴۴) ایضا
(۴۵) ایضا
(۴٦) عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، ۱/۲۳۳

(۴۷) الکھف:۲۹
(۴۸) یونس:۱۵
(۴۹) آل عمران:۶۹
(۵۰) البقرۃ:۱۰۹-۱۰۸
(۵۱) اصلاحی،امین احسن: تدبر قرآن،لاہور: فاران فاؤنڈیشن،۱۹۹۳ء،۱/۲۹۷۔۳۰۶
(۵۲) دریابادی،عبدالماجد:تفسیر ماجدی،کراچی: مجلس نشریات اسلام،۱۹۹۸ء،۱/۲۱۶
(۵۳) اصلاحی،حوالہ مذکور
(۵۴) البقرۃ:۱۱۶
(۵۵) الممتحنۃ:۴
(۵۶) الممتحنۃ:۴
(۵۷) المائدۃ:۵۴
(۵۸) سورۃ محمد:۳۸
(۵۹) النساء:۱۳۳
(۶۰) الرعد:۱۹
(۶۱) سورۃ الفتح:۲۹
(۶۲) القرطبی،أبوعبداللہ محمد بن أحمد:الجامع لأحکام القرآن،دار عالم الکتب،الریاض،۱۴۲۳ھ،۱۰/۳۰۰
(۶۳) سورۃ فصلت:۳۰
(۶۴) آل عمران:۷۷

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆